مطالعہ وتدبر کے لیے ایک مستقل حیثیت رکھتے ہیں اس لیے مطالعے کے وقت وہ الجھن نہیں ہوتی جو مباحث اور ان کے ترجمے کے آگے پیچھے ہوجانے سے ہوتی ہے۔

۴۔۔۔ سورت کے خاتمے پر اس کے اہم مقامات کے بارے میں تفسیری مباحث اور مقالات ہیں پہلی جلد میں یہ مباحث نہیں تھے، صرف سورہ بقرہ کے آخر میں چند آیات کے متعلق چار پانچ صفحے کے مباحث ہیں۔ البتہ دوسری جلد کی ہر سورت کے آخر میں اس کے اہم مقامات کے متعلق تفسیری مباحث پر مشتمل مجمل یا مفصل مقالات ہیں۔ ان میں یہ امر بھی پیش نظر رہا ہے کہ جو مقامات پہلی جلد میں بحث طلب تھے، ان کو بھی بحث میں سمیٹ لیا ہے، اس طرح پہلی جلد کی سورتوں کے اکثر مہمات مطالب بھی دوسری جلد میں آگئے ہیں۔ البتہ بعض مباحث کے لیے دوسری جلد میں مناسب موقع نہیں نکل سکا انھیں تیسری جلد کے لیے چھوڑ دیا۔

۵۔۔۔ اس کے علاوہ ایک اور چیز بھی ہمیں ترجمان القرآن کے صفحات پر جابجا نظر آتی ہے، وہ اس کے حواشی ہیں۔ یہ حواشی پہلی جلد میں بھی ہیں اور دوسری جلد میں بھی۔ اور جس طرح عام طور پر علمی کتابوں میں صفحے کے نیچے کا حصہ استعمال کیا جاتا ہے۔ مولاناؒ نے بھی یہی طریقہ اختیار کیا ہے۔

ان حواشی میں کہیں کسی لفظ کے خاص معنی کی طرف اشارہ ہے، کہیں کسی تفسیری نکتے کی طرف توجہ دلائی ہے، کہیں کسی مقام کا محل وقوع متعین کیا ہے، کہیں کسی موضوع پر تفصیلی مطالعے کے لیے کسی کتاب کی نشان دہی کی ہے، کہیں کسی معاملے میں مفسرین کا عام رجحان، رائے یا مسلک پیش کیا ہے یا کسی اور خاص نکتے کی طرف توجہ دلائی ہے۔ غرض ان حواشی میں تمام فروعی باتیں آگئی ہیں۔ یہ حواشی نہ صرف تعداد میں کم ہیں بلکہ مقدار کے لحاظ سے بھی مختصر ہیں۔ ان کا اصل محل وہی ہے، جہاں وہ نمودار ہوتے ہیں۔

مباحث کی اس ترتیب نے ترجمان القرآن کی افادیت کے ہر پہلو کو نمایاں کردیا ہے اور تمام خصوصیات اُبھر کر سامنے آجاتی ہیں، ذہن ودماغ کو ان کی تلاش میں کاوش نہیں کرنی پڑتی۔

مولانا کے نزدیک اس ترتیب کی بھی خاص اہمیت تھی۔ یہ ترجمان القرآن کی وہ صوری خصوصیت ہے جس نے اس میں افادیت کے ساتھ دل نشینی اور اثر آفرینی پیدا کردی ہے۔ مولانا

فرماتے ہیں :

"ترجمہ و تفسیر کی معنوی مشکلات کی طرح اس کی صوری مشکلات بھی تھیں۔ اور اس راہ کا دوسرا مرحلہ یہ تھا کہ انھیں حل کیا جائے۔ ان مشکلات کی شرح بھی طولانی ہے۔ ترجمان القرآن کے خاتمے میں قرآن کے فارسی، اُردو اور یورپ کے تراجم پر تبصرہ کیا گیا ہے۔ ان سے اندازہ کیا جا سکے گا کہ اس مرحلے کی مشکلات کیا کیا تھیں اور وہ کیا اسباب ہیں جن کی وجہ سے آج تک قرآن کے تراجم میں وضاحت اور دل نشینی پیدا نہ ہو سکی۔" لـه

لیکن اس کی صوری خصوصیات و محاسن کا اندازہ کرنے کے لیے کسی استفسار کی ضرورت نہیں ترجمان القرآن پر ایک نظر ڈال کر معلوم کر لیا جا سکتا ہے کہ اس راہ کی مشکلات کیا تھیں اور صرف مباحث کی ایک مناسب ترتیب نے اس کے مطالب کو کس درجہ واضح، دل نشین اور اس کی مختلف خصوصیات کو کس طرح نمایاں اور الگ الگ کر دیا ہے۔ آپ کم سے کم وقت اور کم سے کم الفاظ میں کسی سورت کی تعلیم اور اس کے مہمات مطالب کا خلاصہ معلوم کر لینا چاہتے ہیں۔ یہ بات صرف نوٹوں پر ایک نظر ڈال کر معلوم کر لے سکتے ہیں۔ آپ قرآن کا ٹھیک ٹھیک مطلب معلوم کرنا چاہتے ہیں، اس کے لیے صرف ترجمے کا مطالعہ کفایت کرتا ہے، اور اگر کسی سورت کے مہمات مطالب سے واقف ہونا چاہتے ہیں تو تفسیری مقالات اس مقصد کو پورا کر رہے ہیں، ان میں سے ہر چیز نمایاں، ہر چیز الگ اور ہر چیز اپنی مستقل حیثیت رکھتی ہے اور اپنے مقصد کی تکمیل کے لیے دوسرے کی محتاج نہیں۔

لـه ترجمان القرآن جلد اول (اشاعت اول) صفحہ ۷۳

(مسلسل)

مولانا اعجاز الحق قدوسی

شیخ مُحمّد اعظم

صاحبِ تحفۃُ الطّاہرین

سندھ کے صوفیائے کرام کے تذکرہ نگاروں میں تحفۃ الطاہرین کے مؤلف شیخ محمد اعظم ٹھٹوی کو غیر معمولی عظمت و شہرت حاصل ہے۔ اگرچہ یہ تذکرہ بھی قدیم تذکروں کی روش پر لکھا گیا ہے، لیکن اس تذکرے کی بڑی خصوصیت جو اس تذکرے کو دوسرے تذکروں سے ممتاز بناتی ہے وہ یہ ہے کہ اس کے فاضل مؤلف نے اس تذکرے کو ٹھٹھ کے علیحدہ علیحدہ محلوں کے بزرگوں پر تقسیم کیا ہے اور ہر محلے کے بزرگوں کے علیحدہ علیحدہ ابواب قائم کیے ہیں، جس سے ہمیں اس زمانے کے ٹھٹھ کے جغرافیائی حالات کے سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے اور ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ ٹھٹھہ ان کے زمانے میں کتنے محلوں پر مشتمل تھا۔ اس کے علاوہ ان کی یہ کتاب سندھ میں دینی اور تصوف کی تحریک اور تاریخ کے متعلق ایک ضروری ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے اور ٹھٹھہ اور مکلی کے ۱۹۵ مشہور صوفیائے کرام کے حالات پر مشتمل ہے۔

تحفۃ الطاہرین کے مؤلف کا نام شیخ محمد اعظم اور ان کے والد محترم کا نام محمد شفیع بن عبدالسلام ہے۔ ان کا وطن مالوف سندھ کا مشہور اور تاریخی شہر ٹھٹھہ ہے۔ یہ شہر صدیوں تک علم و فضل اور تصوف و معرفت کا گہوارہ رہا ہے۔ شیخ محمد اعظم نے بھی اسی شہر میں جنم لیا۔

ہمیں شیخ محمد اعظم کی ابتدائی زندگی اور تعلیم و تربیت کے متعلق کوئی تفصیل نہیں ملتی کہ جس سے

یہ معلوم ہوسکتا کہ انھوں نے کن مدارس میں تعلیم پائی، کن کن اساتذہ نے اُن کے جوہرِ قابل کو نکھارا اور سنوارا۔ لیکن قیاس چاہتا ہے کہ انھوں نے ابتدائی تعلیم و تربیت ٹھٹہ ہی میں حاصل کی ہوگی کیوں کہ وہ ٹھٹہ کے گوہرِ گراں مایہ تھے۔

خیال ہے کہ اس گوہرِ گراں مایہ نے بھی اسی شہر سے آب حاصل کی ہوگی۔ البتہ ان کی تالیفات سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ وہ نہ صرف علوم متداولہ کے ماہر تھے بلکہ دوسرے علوم میں بھی ان کا پایہ بلند تھا اور انھیں فارسی زبان پر بھی بڑی قدرت حاصل تھی۔

شیخ محمد اعظم کی جغرافیہ پر تالیف ہیئۃ العالم ان کے تبحر، علمی ذوق اور وسیع مطالعے کی آئینہ دار ہے۔

شیخ محمد اعظم کا عہد کلہوڑوں کا آخری دور اور ٹالپروں کا ابتدائی زمانہ ہے جو ترقی تالیف و تصنیف کے لحاظ سے ایک سنہرا دور ہے۔ سندھی مصنفین کی جتنی تصانیف ہمیں اس دور میں ملتی ہیں، اتنی کسی زمانے میں نہیں ملتیں۔ اس زمانے کو سندھ میں فارسی زبان کے عروج کا آخری دور سمجھنا چاہیے کیونکہ ٹالپروں کی حکومت ختم ہونے کے بعد انگریز حکومت کا تسلط ہماری تہذیب و تمدن پر اثر انداز ہوا اور علم پروری اور علمی قدردانیوں کا دور ختم ہوکر ایک ایسی نئی تہذیب نمودار ہوئی جس نے فارسی کی ترقی سے ہاتھ اٹھالیا اور انگریزی زبان کو زبردستی ہم پر مسلط کیا۔

کلہوڑوں کے عہد میں شیخ محمد اعظم کی مصروفیتیں کیا تھیں؟ اس کی بھی تفصیل ہمیں نہیں ملتی، لیکن ان کی تالیفات کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنا بڑا وقت ہندستان کے مختلف شہروں میں گزارا۔ "ہیئت العالم" کے مطالعے سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ ایک طویل عرصے ہندستان کے شہر سورت میں رہے۔

سورت ہی میں انھوں نے وہیں کے ایک [illegible] باعمل مولانا خیرالدین نقشبندی[۵۱] کے حلقۂ ارادت میں شامل ہوکر شرفِ بیعت حاصل کیا اور ان سے تصوف اور سلوک کی پوری منزلیں طے کیں۔ شیخ محمد اعظم نے سلوک و معرفت کے ساتھ علوم ظاہری کی تعلیم بھی ان سے حاصل کی تھی

---

[۵۱] مولانا کا اصل نام خیرالدین محمد زاہد سورتی تھا، علوم ظاہری کی تکمیل مولانا عبدالرزاق سورتی سے کی تھی۔